© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ خطباتِ بہاولپور کی روشنی میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اکیسویں صدی عیسوی کے دوسرے سال کا اختتام اسلامی دنیا کے لیے بالخصوص اور اسلامی علوم و معارف سے دلچسپی رکھنے والی دنیا کے لیے بالعموم بڑے غم اور علمی خسارے پر ہوا، جب سترہ دسمبر کی صبح کو عظیم و جلیل مسلم سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس دار فانی سے رحلت فرما کر اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت میں جا پہنچے' اللہ تعالیٰ دین اسلام کے اس سچے خادم و مبلغ کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے اور جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

ان کی زندگی میں نہ سہی کم سے کم ان کی وفات کے بعد تو اہل پاکستان نے ان سے اپنی محبت واحترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے قدر شناسی اور عزت افزائی کا ثبوت دیا ہے' چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے لمحۂ وفات سے لیکر تا دمِ تحریر ان کی ہمہ پہلو شخصیت' ان کے علمی کارناموں اور خدمات اسلام کے حوالے سے مجالس تذکرہ و قدر شناسی کا سلسلہ جاری ہے' اخبارات نے ان کے متعلق بے شمار کالم اور مقالات شائع کیے ہیں' کئی ایک رسائل نے خصوصی شمارے شائع کیے ہیں اور کر رہے ہیں۔

تذکرہ و قدر شناسی کا یہ سلسلہ بالکل بجا اور برمحل ہے، بلکہ احسان شناسی کا غماز ہے، مگر مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کاش اس عزت افزائی اور قدر شناسی کا اظہار ان کی زندگی میں بھی ہوتا' تاہم میرا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کی زندگی میں اہل پاکستان نے بالکل کچھ بھی نہیں کیا لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی خداداد صلاحیت' انتھک محنت' اسلام سے بے پناہ محبت' برعظیم کی ملت اسلامیہ سے گہرے لگاؤ اور اس کی عظیم الشان خدمات کے باعث اس سے بھی زیادہ عزت و تکریم کے حقدار تھے' اسلام کا یہ مخلص خادم و شیدائی' ہمہ وقت اور ہمہ تن تبلیغ دین میں مصروف اور اسلامی علوم کے قیمتی موتی اور جواہر بکھیرنے والا یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے مثل اور بے بدل سکالر اس سے کہیں زیادہ تجلیل و تکریم کا مستحق تھا.

اشارات و کنایات سے کام لینے کے بجائے کھل کر اور کسی لگی لپٹی کے بغیر بات کرنے کی اجازت چاہتے ہوئے عرض کروں گا کہ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم و مغفور ان پر عزم اور باہمت مسلم نوجوانوں میں سے تھے جنہوں نے قیام پاکستان کے لیے عملی کام کیے۔ خصوصاً اپنے وطن مالوف حیدر آباد دکن کے لیے تو ان کا موقف ایک قابل تقلید مثال اور قابل ستائش کارنامہ ہے. اس دولت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی روشن پیشانی کو مزید رعنائی عطا کرنے اور اسے نور اسلام کی تابندگی بخشنے کے لیے ان کی عملی خدمات ناقابل فراموش ہیں وہ حیدر آباد دکن کے ایک نوجوان مہاجر مگر پر عزم بہی خواہ کی حیثیت سے بڑی آرزوئیں اور بے اندازہ تمنائیں لیکر پاکستان کی سرزمین میں وارد ہوئے تھے۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جذب و شوق کے مالک اس ذہین اور محنتی نوجوان سکالر کو کھلے دل سے خوش آمدید کہا جاتا۔ ان کے کمال علم و ہنر اور بے پناہ جذب و شوق سے فائدہ اٹھایا جاتا، مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے جذبہ تعمیر وطن اور خدمت اسلام کی قدر نہ کی گئی بلکہ لوگ ان کی ذہانت اور قابلیت کے ساتھ انتھک محنت سے خوف زدہ ہو گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت پاکستان کی ایک دو یونیورسٹیوں میں وہ اپنے علم و فضل سے فیض یاب کرنے کے آرزومند تھے، مگر سرخ فیتہ کے پہاڑ کھڑے کر دیئے گئے اور رسمی قواعد و ضوابط کے حیلوں بہانوں سے ان کی دل شکنی کی گئی اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پیرس کے ایک گمنام مگر خاموش گوشے میں جا بیٹھے اور پھر تمام عمر وہیں رہے جہاں سے نکل کر وہ دار البقاء کو سدھارنے کے لیے امریکہ چلے گئے مگر پاکستان پھر بھی نہ آئے۔

یہ تلخ نوائی محض یہ احساس دلانے کے لیے ہے کہ زمانہ ہمیشہ سے اہل فضل و کمال کا دشمن رہا ہے اور ہر دور کے اہل زمانہ نے علم و ہنر کی بے قدری کی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم بھی اس بے قدری اور ہنر دشمنی کے نخچیر رہے ہیں، لیکن بایں ہمہ یہ بات باعث تسلی بھی ہے کہ پاکستان نے ان کی قدر شناسی بھی کی اور ان کے فضل و ہنر سے استفادہ کر کے انہیں عزت و تکریم سے بھی نوازا مگر بعد از خرابی بسیار۔ اس قدر شناسی و تکریم کی ایک روشن مثال خطبات بہاولپور ہے، اس وقت کے وائس چانسلر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور جناب عبدالقیوم قریشی صاحب کے بروقت اقدام کے لیے آنے والی نسلیں ہمیشہ شکر گذار واحسان مند رہیں گی کہ انہوں نے معارف اسلامیہ کے اس بحر زخّار سے چند قطرے ہی محفوظ کر لیے، جواب ایک معتبر کتاب حوالہ کا روپ دھار چکے ہیں

ایسے عالمانہ خطبات عامہ کا سلسلہ کوئی انوکھی بات یا طرز نو نہیں ہے، جسے بعض لوگ مغرب کے علم و دانش کا مظہر تصور کرتے ہیں بلکہ یہ تو ہماری اپنی چودہ سو سالہ قدیم اسلامی روایت ہے۔ جس کے ڈانڈے مکہ مکرمہ کے دار ارقم، صفہ مسجد نبوی، منبر مسجد نبوی اور عہد نبوت وخلافت راشدہ کے دیگر مجامع، محافل، مقامات عامہ یا فوری اہمیت کے مواقع سے جا ملتے ہیں جب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی موضوع پر خطبہ ارشاد فرماتے اور صحابہ کرامؓ مرد و زن، حسب موقع سوال کرتے اور جواب پاتے تھے۔ بعد میں یہی سنت نبوی امت کے لیے قابل تقلید سنت اور معمول کی ایک روایت بن کر زندہ جاوید ہوگئی۔ عربی ادب میں کتب الامالی، جیسے کتاب الکامل للمبرد اور امالی ابی علی القالی یا مجالس ثعلب اور محاضرات اصفہانی کے علاوہ علمائے حدیث، فقہ، تفسیر اور تصوف نے اس سنت نبوی کو اپنا لیا۔ اہل طریقت کے ہاں مواعظ وملفوظات بھی انہی عالمانہ خطبات عامہ کے ضمن میں ہی آتے ہیں۔ عصر حاضر میں یہی طرز محاضرات وخطبات مستشرقین کے توسط سے اہل مغرب کے ہاں بھی مروج ومقبول ہوئی اور پھر عالمانہ لیکچروں کے سلسلے بھی متعارف اور متداول ہوئے۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے معروف خطبات (بعنوان: تجدید فکر اسلامی) اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خطبات مدراس بھی اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ خطبات بہاولپور بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک تازہ، خوبصورت اور قابل فخر کڑی ہے جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم ومغفور کے زیور علم وفضل سے مزین ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ہیں۔

اسلامی علوم ومعارف کے نہایت ہی اہم موضوعات ومسائل پر مشتمل یہ بارہ خطبات ہیں جن میں سے ہر ایک کے آخر میں شرکائے مجلس و حاضرین محفل کے سوالات اور ان کے فاضلانہ جوابات نے ان تاریخی خطبات کی رونق، دلچسپی اور افادیت میں قیمتی اضافہ کر دیا ہے۔ خطبات بہاولپور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان کے فاضل خطیب ومحاضر تو علوم ومعارف کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں ہی مگر ان کے حاضرین اور شرکاء بھی حسن سماعت کے حامل ہیں اور حسن فہم وادراک سے بھی متصف اور مزین ہیں۔ اس مختصر سے مقالے میں ہم پہلے اور آخری صرف دو خطبات پر ایک خصوصی نظر ڈالیں گے لیکن باقی خطبات پر تو فقط طائرانہ نظر ہی کی گنجائش ہوگی۔

ڈاکٹر حمید اللہ بلاشبہ ایک بے مثل و بے بدل سکالر تھے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اپنے منفرد اسلوب بیان اور انداز القاء میں قدیم و جدید کے سنگھم پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ ہمارے قدیم و جدید اہل علم کی طرح ان کا علم بھی ایک بحر عمیق و بیکراں دکھائی دیتا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ایک رواں دواں دریائے موجزن کا رنگ بھی لیے ہوئے ہے، وہ بات کی گہرائی تک اترتے ہیں پھر نہایت ہلکے پھلکے سبک رواں انداز میں اپنے جمع کردہ جواہر معرفت کو سامعین و حاضرین کے دل و دماغ میں یوں اتار دیتے ہیں جیسے بیک وقت ان کی تشنگی اور اشتہاء دونوں کی تسکین کا سامان کر رہے ہوں۔ نہایت دھیما انداز ہے مگر اپنی سادگی اور پرکاری کے باعث عام فہم اور دلچسپ بھی ہے وہ علمی حقائق کو جیسا کہ وہ ہیں بلا کم و کاست پیش کر دیتے ہیں، جہاں دلائل اور براہین کا تقاضا ہو وہاں بڑی پختگی، قطعیت اور یقین کے ساتھ بات کرتے ہیں، مگر جہاں مسئلے کو دلائل ثابت نہ کر رہے ہوں اور شواہد کی تائید لانا مقصود ہو وہاں بڑی ہی پرفریب نرم روی کے ساتھ اپنے سامع وقاری کو آہستہ سے جھجھوڑ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود جو چاہیے فیصلہ کرے، ان کے اسلوب بیان میں جہل مرکب میں مبتلا لوگوں کی سی ضد قطعی طور پر ناپید ہے اس کے بجائے ان کے ہاں عالمانہ تواضع اور عاجزی کارفرما نظر آتی ہے، وہی تواضع اور عاجزی جو ہمارے ائمہ اور اعلام کا شیوہ تھا اور جس کے حوالے سے امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ **من قال لا ادری فقد افتی** کہ جسے یہ عاجزانہ اعتراف کرنا آ گیا کہ ''مجھے معلوم نہیں''، تو اس نے بڑے حوصلے اور جی گردے سے کام لینے کا مظاہرہ کیا، ورنہ جہل مرکب کے مریض تو عجز و تواضع کے ساتھ اپنی کم مائیگی کے اعتراف سے شناساں ہی نہیں ہوتے۔ ان کے ہاں تو بس ''یہ بھی درست ہے اور وہ بھی ٹھیک ہے'' کی گردان چلتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس کیفیت سے کوسوں دور تھے اور حقیقت کے اعتراف میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی بخل روا نہیں رکھتے تھے۔

پہلا خطبہ ''تاریخ قرآن مجید'' کے لیے مختص ہے' قرآن کریم کا صرف ایک پہلو یعنی آغاز نزول سے ہم تک پہنچنے کی مختصر مگر جامع تاریخ پیش کی گئی ہے۔قرآن عزیز وعظیم سے پہلے کے صحف و کتب سماویہ کی نہایت مختصر مگر دلچسپ اور مفید تاریخ پیش کرنے کے بعد نزول وحی کے نقطۂ آغاز وارتقاء اور لسان القرآن یعنی قرآن کریم کی زبان عربی کا تذکرہ ہے۔ پھر حفظ قرآن' کتابت وحی اور کتابی شکل میں تدوین قرآن کے تمام مراحل کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے' چنانچہ عربی زبان لسان القرآن کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''اس زبان میں دیگر خصوصیات مثلاً فصاحت' بلاغت' ترنم وغیرہ کے علاوہ ایک خصوصیت ایسی ہے جس کا ہم سب مشاہدہ کر سکتے ہیں' وہ یہ کہ عربی زبان غیر تبدل پذیر ہے اور اس کے لیے ہمیں عربوں کا شکر گزار بھی ہونا چاہیے کہ انہوں نے مختلف علاقوں کی زبانوں کو اپنی زبان نہیں بنایا' بلکہ اپنی عملی اور تحریری زبان وہی رکھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے چلی آ رہی تھی''۔

ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر غور کرنے اور وسیع تر نظر ڈالنے کے لیے ذرا رکنا پڑے گا۔ انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہدایت قرآن کریم' جسے اقبال بجا طور ''آن کتاب زندہ قرآن حکیم'' قرار دیتے ہیں کہ یہ بے مثل و بے نظیر صحیفۂ آسمانی ہی اپنی بقاء وحیات جاوداں کے لیے خداوندی ضمانت رکھتا ہے' انا نحن نزلنا الذکر و انالہ لحافظون یہ کتاب زندہ ''قرآن'' بھی ہے کیونکہ پڑھا جانا اور بار بار پڑھا جانا اور کئی طریقوں اور زاویہ ہائے نگاہ سے پڑھا جانا' بار بار پڑھایا جانا اور کئی طریقوں اور زاویہ ہائے نگاہ سے پڑھایا جانا اسی پیغام ربانی کا مقدر ہے اور یہ ''حکیم'' بھی ہے کیونکہ یہ اولین وآخرین صحف سماویہ کے تمام تر مضامین حکمت وتدبر پر محیط ہے اور سب کا جوہر اور نچوڑ یہ اپنی آیات بینات میں سموئے ہوئے ہے۔اس کی حکمت و تدبر کو کبھی زوال نہیں اور کوئی ذرۂ حکمت وتدبر اس سے باہر بھی نہیں، اس لیے تو شاعر اسلام کی زبان پر ''حکمت اولا یزال است وقدیم'' رواں ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غارِ حرا سے وحی ربانی کی پہلی کرن ضوفشاں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام حق آفتاب عالمتاب بن کر طلوع ہوتا ہے تو اس وقت پوری دنیا ظلمت و جہالت میں ڈوبی ہوئی ہے اور مشرق و مغرب کے تمام مؤرخ اس دور کو قرونِ مظلمہ یا تاریک زمانے قرار دیتے ہیں' یعنی یہ ایسا دور ہے جب نہ علم و معرفت کے چرچے ہیں' نہ کتاب کو ضبط تحریر میں لانے کے عام وسائل ہیں اور ابھی تک انسانی معاشروں پر جہالت کے وہی پردے چھائے ہوئے ہیں جو پہلے صحیفوں اور کتابوں کو محو کر کے انہیں نیستی اور عدم کے گھاٹ اتارتے رہے ہیں یا کم سے کم وہ تحریف اور تشکیک کی زد سے تو بچ ہی نہیں سکے' لیکن قرآن مجید کی حفاظت کے لیے عرش اور فرش کی کوششیں اور وسائل باہم شیر و شکر ہو کر اس کتاب مبین کی سلامتی و تحفظ کا ایسا سامان کر دیتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ سے جبریل امین کے محفوظ و مصون واسطے سے قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نقش ہو جاتی ہے۔ کاتبانِ وحی کی ایک جماعت اسے ضبط تحریر میں لانے پر مامور ہو جاتی ہے' پھر بل هو آيات بينات في صدور الذين اوتوا العلم (بلکہ وہ کتاب تو ایسی واضح آیات پر مشتمل ہے جنہوں نے اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہونے کے لیے جگہ پائی ہے) کے ارشاد ربانی کے مطابق سینکڑوں حفاظ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کتابت اور حفظ کے کام کو بار بار دہرانے اور پرکھنے کے مراحل سے گذارا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آج دنیا میں صرف اور صرف یہی کتاب زندہ ہے جس کی حفاظت و صیانت کے متعلق کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی' ڈاکٹر حمید اللہ اپنے اس لیکچر میں تمام باتیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمو کر اہل ایمان کے یقین اور اطمینان کا روح پرور سامان کر دیتے ہیں۔

یہ بھی بجا ہے کہ دنیا بھر کی زبانیں تو زمانے کی رفتار کے باعث تغیر و تبدل کی زد میں ہیں مگر عربی زبان جو لسان القرآن ہے وہ ''غیر تبدل پذیر'' ہے، مگر اس کا سبب یہ نہیں کہ عرب بحیثیت افرادِ بشریت اس تحفظ کے ذمہ دار ہیں، بلکہ اس کا سبب یا اسباب کچھ اور ہیں۔ ان میں محض عربوں کی کوشش یا مہربانی کا دخل نہیں ہے۔ یہ تو بالکل صحیح اور یقینی بات ہے کہ عربی زبان زمانے کی ظالمانہ دست برد سے محفوظ و مصئون ہے. لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ قرآن کریم کی زبان عربی مبین کا تحفظ و بقا کسی انسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مہربانی اور قربانی کی مرہونِ منت ہے یا یہ کہ خود عربوں نے اپنی زبان کو تبدیل نہیں ہونے دیا، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عربی مبین کی حفاظت و بقاء کا وسیلہ اور سبب قرآن کریم ہی ہے بلکہ عربوں کی عربیت بھی قرآن کریم کی مرہون منت ہے۔ اگر قرآن عربی مبین میں نازل نہ ہوتا تو منتشر و متحارب قبائل سے نہ تو عرب ایک متحدہ فاتح اور کمالات کی مالک امت بن سکتے اور نہ مختلف و متضاد قبائلی و علاقائی لہجات سے عبارت عربی زبان ایک متحدہ علمی اور قدیم و جدید معلومات و معارف کی واحد زبان ہونے کا شرف حاصل کر سکتی۔ آج بھی اگر یہی عربی مبین ہر جگہ تر و تازہ، زندہ و تابندہ اور ہر قسم کی لسانی صلاحیتوں سے مالا مال زبان ہے تو یہ بھی اسی معجزۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب زندہ قرآن حکیم ہی کا صدقہ ہے۔ آج اگر خلیج سے محیط تک عربیت کی مالک اور عظیم عرب قوم موجود ہے تو یہ بھی اسی کتاب زندہ کا صدقہ ہے ورنہ عرب کا ہر گوشہ جہالت اور پسماندگی کی پیداوار اپنی اپنی دارجہ یا عامی زبان اختیار کر کے ایک دوسرے سے پوری طرح بیگانہ ہو چکا ہوتا۔

کیسی انوکھی اور کتنی منفرد و عجیب بات ہے کہ قرآن کریم ہے تو عربی زبان کی پہلی کتاب جو ضبط تحریر میں آئی مگر حال یہ ہے کہ آج بھی اس عربی مبین کی عظیم الشان، جلیل القدر، بالا و برتر، بے مثال و بے بدل اور روز اول کی طرح عربوں کے لیے سحر حلال کا سا اثر رکھنے والی کتاب بھی یہی ہے۔ ایک ایسا پاکیزہ و حلال جادو جو عربوں کے قلب و ذہن پر چھایا ہوا ہے، نہ وہ اس سے دور ہو سکے ہیں نہ دور ہونا پسند کرتے ہیں۔ اس کے لفظ و معنی کی حلاوت و بالیدگی کا یہ عالم ہے کہ ہر عرب اسے پڑھنے، سننے اور ذہن نشین کرنے کو اپنے لیے پیغام زندگی اور قلب و روح کی تسکین کا سامان سمجھتا ہے اور یہ ہے بھی، عربوں کو قرآن میں شعر و خطابت کی سی لذت محسوس ہوتی ہے، مگر اس کے معانی و مفاہیم اور حسن بیان سے ترکیب پانے والا پیغام حق انہیں تڑپا کر رکھ دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عرب اپنی شاعری کو اس وقت تک ترک نہیں کر سکیں گے جب تک اونٹنی اپنے لخت جگر کے لیے محبت اور تڑپ کو نہیں چھوڑ دیتی۔ چونکہ اونٹنی کے لیے یہ محال ہے، اس لیے عربوں کے لیے بھی ایسا کرنا محال اور ناممکن ہے، مگر کتاب بیک وقت ذوق شعری کی تسکین کا سامان بھی ہو، خطابت کا سا جادو بھی رکھتی ہو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے بڑھ کر اس میں روح پرور اور دلوں کو سوز بخشنے والے افکار و معانی اور سامان ہدایت موجود ہو، اسے عرب کیسے فراموش کر دیں یا اس کی گرفت سے آزاد کیوں ہوں؟ یہ اس کتاب زندہ کا اعجاز ہے کہ چودہ صدیوں سے غیر تبدل پذیر عربی مبین تمام عالم عرب کی واحد علمی و ادبی زبان مسلم ہے۔ کبھی آپ نے خوش الحان قاری کی تلاوت سن کر عربوں کو جھومتے تڑپتے دیکھا ہے؟ بلکہ اسے براہ راست سن کر سمجھنے سے عاجز غیر عربوں کو مسحور ہوتے نہیں دیکھا سنا نہیں، بلکہ غیر مسلموں کو متاثر ہو کر اس کتاب زندہ کے دین حق کا حلقہ بگوش ہوتے نہیں دیکھا سنا؟ ''ایں کتاب نیست چیزے دیگر است'' آپ نے کبھی غیر عرب مسلمانوں کو جو اس کے کسی لفظ کے بھی معنی نہیں جانتے انہیں پوری پوری صحت کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے دیکھا اور سنا نہیں؟ دنیا میں کوئی بھی ایسی کتاب نہیں جو کسی زبان کی چوٹی کی کتاب بھی ہو اور اسے کوئی سمجھے بغیر صحت کے ساتھ پڑھ کر دکھا دے۔ یہ بھی اس کتاب زندہ کا کمال اعجاز ہے۔ بھلا اس کتاب جلیل و عظیم کی عربی مبین کو چھوڑ کر یا اس کے اسلوب میں تبدیلی پیدا کر کے عربوں کو کیا ملے گا؟ بلکہ یوں کہیے کہ ان کے پلے رہ کیا جائے گا؟!

دنیا میں یوں تو ہوتا ہے کہ کتابیں اپنی اپنی زبانوں کے طفیل زندگی اور شہرت پاتی ہیں یا مردنی کا شکار ہوتی ہیں، آج اگر شیکسپیئر کا ستارہ شہرت کے آسمان پر چمک رہا ہے اور اس کی ڈرامائی شاعری زمین و زمان کی وسعتوں کو عبور کر کے دنیا کے ہر گوشے میں پڑھنے سننے والوں کے لیے دلچسپی اور ادبی ذوق کی تسکین کا سامان ہے تو اس لیے کہ اس کی زبان انگریزی ہے مگر ''ہیر وارث شاہ'' میں باوجود یکہ سید وارث شاہ نے شعر و حکمت کے موتی بکھیرے ہیں اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے ہیں، مگر یہ عظیم الشان ادبی تخلیق اور اس کا شاعر گوشۂ گمنامی سے نہیں نکل پائے، کیونکہ یہ تو پنجابیوں کی پنجابی زبان میں ہے۔ کیا کہنا شاعر مشرق کا جن کا فرمانا ہے کہ مسلمانوں کا اسلام پر کوئی احسان نہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام کا مسلمانوں پر احسان ہے کہ وہ ہمیشہ ان کے لیے ڈھال اور دفاع کا کام دیتا رہا ہے، یمنون علیک أن اسلموا قل لاتمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدا کم للایمان (وہ آپ پر احسان دھرتے ہیں کہ وہ اسلام لائے، آپ کہہ دیجیے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احسان مت دھرو بلکہ احسان تو تم پر اللہ کا ہے جس نے تمہیں ایمان کے لیے راہ دکھائی) تو یہاں بھی عربوں نے قرآن یا اس کی زبان عربی پر کوئی احسان نہیں کیا، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا اُن پر احسان ہے کہ اس کی کتاب زندہ نے انہیں بھی ایک متحد اور زندہ قوم بنایا' عزت دی اور وہ کتاب والے کہلائے اور ان کی عربی مبین کو بھی حیات دوام عطا فرمائی اور علوم و آداب کی زبان بنا کر امر کر دیا۔ عربی مبین پر عربوں کا کوئی احسان نہیں ہے، بلکہ ان میں تو قرآن کریم کی زبان عربی مبین سے بھاگنے والے اور عامی زبانوں کو اپنا کر رومن خط میں لکھنے کی دعوت دینے والے بھی پیدا ہوتے رہے مگر اپنی کوشش میں ناکام و نامراد ہو کر گمنامی کی تاریکیوں میں دفن ہوتے رہے ہیں۔

شاید بات ابھی بھی کھلی نہیں۔ دراصل قرآن کریم عربی زبان کی پہلی کتاب ہے اس سے قبل عربی زبان میں کسی صحیفے' کسی نوشتے یا چھوٹی بڑی کتاب کے لکھے جانے کا ذکر تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس غیر فانی معجزۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب لازوال اور لاثانی کے لیے عربی زبان کا انتخاب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا طے شدہ امر تھا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ اس کتاب کی زبان وہی عربی بنے جو انسان کے عہد طفولت کی نشانی بھی ہے، ترجمان بھی، مگر ترقی یافتہ اتنی کہ اس کی کوئی مثال ہے نہ جواب۔ بچہ جب بولنا شروع کرتا ہے تو فعل یا حرف کے استعمال کے بغیر چیزوں کے صرف نام بولتا ہے۔ عربی دنیا کی عجب زبان ہے کہ اس کا آدھا بلکہ آدھے سے بھی زیادہ ادبی سرمایہ جملہ اسمیہ کی شکل میں ہے۔ وعلم آدم الاسماء (اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو چیزوں کے نام سکھلا دیئے) میں بھی شاید اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہو۔ باوا آدم علیہ السلام کو چیزوں کے صرف نام سکھلائے گئے اور وہ شاید انہی سے کام چلاتے ہوں گے اور شاید اسی لیے عربی کے جنت سے آنے والی زبان کا قول بھی ملتا ہے؟

یہودی مستشرق جنہوں نے سامی اقوام اور ان کی زبانوں پر تحقیق کی ہے یہ تو مانتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے ہزاروں سال پہلے سے تمام زمانوں میں دنیا سے الگ تھلگ اپنے ریگستانی جزیرے میں رہنے کے باعث عرب نہ صرف زمانے بھر کے تمام تغیرات اور انقلابات سے محفوظ رہے ہیں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کلچر کو بھی پورے اور صحیح طور پر محفوظ رکھا ہے جو انہیں سام بن نوح سے ورثے میں ملا تھا۔ عربوں کے طفیل ہی سامی ثقافت خالص اور محفوظ رہ سکی ہے۔ گویا حضرت نوح علیہ السلام سے ملنے والا ثقافتی ورثہ عربوں کے سوا کوئی اور سامی قوم بشمول یہود، محفوظ نہیں رکھ سکی، مگر جب بات چھڑی انہی عربوں کی سامی بولی کی تو ان مستشرقین محققین کو سانپ سونگھ گیا۔ فرمایا کہ عربوں کی زبان تو تمام سامی زبانوں میں کم عمر زبان ہے۔ کیونکہ اگر عربی کو آدم کی طرح نوح کی زبان بھی مان لیں تو قرآنی زبان کی قدامت کو بھی ماننا پڑتا ہے اور پھر اس سے قرآن کریم اور اس کی زبان عربی مبین کی عظمت و فضیلت بھی ماننا پڑتی ہے، لیکن کوئی پوچھے کہ عرب اگر دنیا سے الگ تھلگ رہتے ہوئے سامی ثقافت کو محفوظ رکھ سکتے ہیں تو سامی زبان کو ان سے کس نے چرا لیا ہے؟ کیا زبان ثقافت کا حصہ نہیں؟ یا کیا عرب تمام صدیاں چپ چاپ گونگے بنے رہے اور صرف سام بن نوح کی ثقافت پر ہی گذارا کرتے رہے؟ تاہم مشرق و مغرب کے انصاف پسند اہل علم و دانش یہ بات مانتے ہیں کہ سامی ثقافت کی طرح جس سامی زبان کو عربوں نے محفوظ رکھا وہ عربی مبین ہی ہے۔ یہی عجوبۂ روزگار عربی مبین ہے جو ہزاروں سال سے ریگزار جزیرۂ عرب میں بسنے والے عربوں کی زبان رہی اور جس پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے، اسے خارجی اثرات سے محفوظ رکھتے تھے اور اس کے حسن لفظ اور جمال فصاحت پر انہیں ناز تھا، غیر زبان کا لفظ بغیر معرب کئے نوک پلک درست کیے اور عربی لباس میں چمکائے بغیر زبان پر نہ لاتے تھے۔ یہ تعریب کا سلسلہ آج تک بھی اس طرح جاری ہے۔ عربوں کا ثقافتی سرمایہ، جو انہیں جان سے بھی زیادہ عزیز تھا، یہی شستہ و پاکیزہ عربی لفظ اور ان میں کہے گئے شعر عربوں کا سب کچھ تھا۔ وہ اپنی زبان کو صاف ستھرا رکھنے اور خالص و طاہر الفاظ ہی کو اپنی اولاد کو مسلم فصیح و بلیغ قبائل کے ہاں پلنے بڑھنے کے لیے بھیجتے تھے۔ ان قبائل میں سے ایک قبیلہ ہوازن کی شاخ بنی سعد بن بکر کے ہاں ہاشمی قریشیوں کے دریتیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بچپن گذارا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی مبین (واضح بیان والی فصیح عربی زبان) کے مالک قبیلہ قریش میں سے بھی تھے جن کے لوگ شعراء و خطباء کے حکم اور جج بنا کرتے تھے اور ان کے فیصلے سب پر لازمی طور پر لاگو ہوتے تھے، اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا انا افصح العرب بید أنی من قریش و نشأت فی بنی سعد بن بکر کہ میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوں مگر میں قریش سے بھی ہوں اور بنو سعد بن بکر کے ہاں پلا بڑھا بھی ہوں۔ یہی زبان شستہ اور کوثر و تسنیم میں ڈھلے ہوئے اس کے الفاظ عربوں کا طرۂ امتیاز بھی تھا اور سرمایہ فخر بھی۔ اس کے سوا ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اسی لیے الجاحظ کا کہنا ہے کہ عربوں کے پاس از قسم فکر و ثقافت کچھ بھی نہ تھا، مگر قدرت نے انہیں اس کے بدلے ذلاقت اللسان اور بداھت القول سے نوازا تھا۔ ان کے شعراء اور خطیب جب اس عربی فصاحت و بلاغت کا جادو جگاتے تھے تو سب کو مسحور کر کے رکھ دیتے تھے۔ اسی مروج فصاحت و بلاغت سے مسحور فضا میں معجزۂ قرآنی کا ظہور ہوا جس کے انوکھے، مسحور کن اور لاجواب اسلوب فصاحت و بلاغت نے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، اس کا جادو سب کے سر چڑھ کر بولا اور اس کے چیلنج نے سب کو لاجواب کر دیا۔ اس کتاب زندہ پر ایمان لانے والے اور اس کی صداقت کے منکر اس کی فصاحت و بلاغت کے "سحرِ حلال" سے یکساں طور پر متاثر تھے۔ اہل ایمان تو کار ثواب کے لیے اس کی آیات بینات کو حفظ کرتے تھے مگر اس کے منکروں کی زبانوں پر قرآنی آیات رواں رہتی تھیں اور وہ نہ صرف ان کی ادبی لذت سے لطف اندوز ہوتے تھے، بلکہ ان کے سحرِ حلال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے تاہم خاندانی تفوق اور تکبر و غرور قبول حق سے مانع رہتا تھا، کلام معجز نظام سے ادبی ذوق کی تسکین کے لیے چھپ چھپ کر اس کی تلاوت سنتے رہتے تھے۔ قرآن کا جادو سب کے سر چڑھ کر بولتا تھا اور آج بھی بول رہا ہے قرآنی فصاحت و بلاغت کے سحر حلال کا ایک نشہ تھا جو اس وقت بھی سب کو مسحور و مخمور رکھتا تھا اور چودہ صدیوں سے آج تک مسحور و مخمور رکھے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ڈاکٹر طہٰ حسین نے قرآنِ حکیم کے فصیح و بلیغ اسلوب اور اعجاز بیان کے حوالے سے بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ عرب اس کتاب زندہ کے انوکھے اسلوب سے حیرت میں ڈوب گئے کہ یہ اسلوب نثر کی سی سہولت کا آئینہ دار بھی تھا، مگر اس میں شعر کا سا اثر بھی تھا۔ عرب فصاحت و بلاغت کے اس انوکھے اور نرالے اسلوب سے شناسا بھی نہ تھے، کیونکہ قرآن کریم تو نثر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ شعر ہے۔ انسانی کلام اور ادبیات اقوام یا شعر کی شکل میں ہوتی ہیں یا نثر کی صورت میں تو ظاہر ہوا کہ جو کلام نہ شعر ہے نہ نثر ہے وہ کلام انسان کا نہیں ہو سکتا اور جب یہ انسانی کلام نہیں ہے اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسی بالا و برتر اور مافوق البشر ذات کا کلام ہے تو یہ نرالا اور انوکھا اسلوب بیان اور اعجاز القرآن کا جادو ہے جس نے عرب کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ وہ اگر اس سے آزاد بھی ہونا چاہیں تو نہیں ہو سکتے اور جس دن آزاد ہو گئے اس دن نہ وہ عرب رہیں گے نہ ان کی زبان عربی مبین رہے گی۔ عرب اور ان کی عربی مبین قرآن سے ہے مگر اس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ جب تک یہ کتاب زندہ موجود ہے اس کی زبان بھی وہی عربی مبین رہے گی، جو نزول قرآن کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود تھی۔

ہماری ان معروضات کا مقصد ڈاکٹر صاحب کے اجمال و اختصار پر چند اضافے اور توضیح پیش کرنا تھا مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ لسان القرآن عربی مبین کے حوالے سے عرب بھائیوں کی خدمات کا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں یا سرے سے ان کی کچھ خدمات ہی نہیں۔ وہ قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے اور ہیں۔ وہ ہمارے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری قوم تھے اور رہیں گے، انہوں نے قرآن کریم کی زبان عربی مبین کو سینے سے لگایا اور لگائے ہوئے ہیں اور وہ عشاق قرآن تھے اور رہیں گے۔ اس کتاب زندہ کی فصاحت و بلاغت کا فہم و ادراک جو وہ رکھتے ہیں یا اس کی قدر و منزلت جو ان کے ہاں میسر آتی ہے وہ ہم غیر عرب مسلمانوں کے لیے نہ صرف قابل قدر ہے، بلکہ ہمارے یقین و ایمان میں پختگی اور اضافے کا باعث بھی ہے۔

سرزمین پاکستان میں اسلامی معارف کے نہایت ہی اہم پہلوؤں پر تیار ہونے والی اس خوبصورت، معلومات افروز اور نہایت معتبر کتاب حوالہ خطبات بہاولپور کا آخری خطبہ اس لحاظ سے نہایت اہم اور مفید ہے کہ اس میں عہد نبوی کی قابل اعتماد عملی مثالیں دے کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ مکی اور مدنی عہد نبوت میں دین حق نے کیا کیا تدبیرات اور حکمتیں اختیار فرمائیں اور غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے کیا کیا وسائل کام میں لائے گئے اور آج ہمیں اپنے دین کی اشاعت و تبلیغ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد بڑا ایمان افروز اور حوصلہ افزا ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری تک چھ سو سال کا وقفہ ہے، لہٰذا عیسائیوں کو ہم پر چھ سو سال کی سبقت حاصل ہے' ان شاء اللہ آئندہ چھ سو سال کے بعد ہماری حالت وہ نہیں رہے گی جو آج ہے''

اگر تاریخی تقابل کیا جائے تو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ماضی میں عیسائیت کی اشاعت رومن اقتدار کی مرہون منت ہے یا نو آبادیاتی نظام میں محکوم و مغلوب اقوام میں عیسائی مشنریوں کی مادی تحریص و ترغیب کا نتیجہ ہے' اس کے مقابلے میں اسلام کی اشاعت یا تو مبلغین اسلام کی قدیم اور معاصر تبلیغی کوششوں کا نتیجہ ہے یا دین حق سے متاثر ہو کر اور رضاء و رغبت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے ہیں' اسلام کے دور فتوحات میں مفتوح اقوام میں اسلام کی اشاعت کا سبب مسلم حکمرانوں کا حسن سلوک تھا۔ کسی بھی مسلم حکمران کو عیسائی بادشاہوں کی طرح قوت اور سرمایہ خرچ کر کے دین اسلام کی اشاعت کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اس رائے سے اتفاق کرنا ہی پڑتا ہے کہ بزور قوت اسلام پھیلانے سے واضح طور پر اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ ظاہر ہے دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ جیسے نیک کام کے لیے مسلمان اللہ و رسول کی نافرمانی کر کے لوگوں کو اسلام کے لیے مجبور کیوں کریں گے؟ بس اتنی بات کافی ہے کہ اسلام دین فطرت ہے' اس کا تصور وحدت نسل انسانی' مساوات' احترام آدمیت اور اخوت اسلامی کے لازوال رشتوں کی کشش کے علاوہ یہ حقیقت سامنے رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم نے دعوت و تبلیغ دین کے لیے جو تین اصول عطا کیے ہیں۔

(۱) حکمت سے کام لینا بہت اہم اور سرفہرست ہے۔

(۲) خوبصورت اور پرکشش انداز میں وعظ و نصیحت اور دعوت حق کو عام کیا جائے۔

(۳) ایسے ذہین اہل علم کی تربیت یافتہ جماعت مبلغین درکار ہے جو مناظرہ و مجادلہ کی صورت میں تسلی بخش دلائل سے قائل کرنے کے قابل ہوں۔

❁❁❁

© rasailojaraid.com